ملک غلام علیؒ کی یاد میں

(۱)

قاضی حسین احمد

ملک غلام علی صاحبؒ مولانا مودودیؒ کے شاگرد رشید تھے۔ آپ اسلامیہ کالج لاہور کے زمانۂ طالب علمی سے مولانا مودودی کے حلقہ بگوش ہو گئے تھے۔ مولانا مودودی کی شخصیت ہمہ پہلو تھی۔ وہ علمی انہماک کے ساتھ ساتھ عملی سیاسی میدان میں اسلامی انقلاب کے داعی تھے۔ ایک دینی اور سیاسی جماعت کے بانی اور رہنما کے طور پر بھی اپنی جماعت کی نگرانی بھی کرتے تھے، اور عالمی اسلامی تحریک کے قائد کی حیثیت سے پوری دنیا کی اسلامی تحریکیں بھی ان کی طرف رہنمائی کے لیے دیکھتی تھیں۔ ملک صاحب نے مولانا مودودی کی فکر، ان کی سیاسی حکمتِ عملی اور ان کے فہم کو پوری طرح جذب کیا، لیکن اپنے لیے علمی اور فکری میدان کو منتخب کیا اور اس کام میں مولانا کے معاونِ خصوصی بن گئے۔ ملک صاحب نے اپنے فرضِ منصبی کو اس خوبی سے نبھایا کہ ملک صاحب" اور مولانا مودودیؒ کے اسلوب اور ان کے طرز تحریر میں بھی فرق کرنا مشکل تھا۔ مولانا مودودیؒ کے پائے کی علمی شخصیت اگر کسی کو یہ کہہ دے: ملک صاحب! دکھانے کی بھی کیا ضرورت ہے۔ آپ میری طرف سے لکھ کر بھیج دیا کریں، تو اعتماد کی اس سے بڑی سند اور کیا ہو سکتی ہے۔

ملک غلام علیؒ کی طبیعت میں شگفتگی اور لطیف مزاح کی چاشنی تھی جس نے ان کے عاجزانہ انکسار کے ساتھ مل کر ان کی شخصیت کے حسن کو دوبالا کر دیا تھا۔

میں ۱۹۷۱ء میں افغانستان کے مشہور اسلامی صحافی منہاج الدین گہیز کو لے کر لاہور آیا۔ ان دنوں مولانا صاحبؒ صاحبِ فراش تھے۔ بیماری اور ضعف کی حالت میں چارپائی پر لیٹے لیٹے انھوں نے منہاج الدین گہیز شہید سے مختصر ملاقات کی۔ گہیز شہید نے مولانا کی صحت کے پیشِ نظر ان کے ساتھ طویل بات چیت کرنا مناسب نہیں سمجھا اور طے ہوا کہ علمی مسائل میں ملک غلام علی صاحب کی رہنمائی حاصل

کی جائے۔ گمیز صاحب سے ملک صاحب کی طویل علمی گفتگو میں، میں بھی شریک رہا۔ یہ گفتگو ایک جدید اسلامی ریاست میں سیاسی نظام اور خواتین کے دائرہ کار سے متعلق تھی۔ اس ملاقات میں مجھے اندازہ ہوا کہ علمی مسائل میں ملک صاحب "مولانا مودودیؒ" کے موقف کی پوری پیروی کرتے ہیں۔ اور اپنے فاضل استاد کے موقف کے حق میں دلائل و براہین سے مسلح ہیں۔

عمر کے آخری حصے میں ملک غلام علی صاحب کے جوان سال بیٹے ملک انعام اللہ، کابل کے شمال میں پروان کے محاذ پر شہید ہو گئے (۱۷ اگست ۱۹۸۹)۔ یہ افغانستان میں سوویت افواج کی مداخلت کا آخری سال تھا۔ ملک صاحب کے پاس میں تعزیت کے لیے گیا تو انھوں نے سعادت مند بیٹے کے بارے میں بتایا کہ تقریباً پانچ سال سے جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف تھا۔ ملک صاحب کی بیماری کی اطلاع پر لاہور آیا اور ایک ماہ تک والد صاحب کی خدمت میں رہا۔ جب ملک صاحب صحت یاب ہو کر ہسپتال سے گھر واپس آگئے تو پھر والد محترم کی خدمت میں عرض کی: اب مجھے اپنے کام پر جانے کی اجازت دیجیے۔ والدین کو معلوم ہے کہ خود جہاد پر جانے کی نسبت اولاد کو خندہ پیشانی سے جہاد پر رخصت کرنا اور ان کی شہادت کی خبر کو خندہ پیشانی سے سننا اولیاء اللہ کا کام ہے۔ ملک غلام علی صاحب اور ان کی اہلیہ محترمہ دونوں اس بڑی آزمائش میں کامیاب رہے۔ ان کی شخصیت کا یہ پہلو قابل رشک ہے اور اس میدان میں ان کے رفقا میں سے ان کے ہم پلہ کم ہی ہیں۔

اپنی اہلیہ کے سامنے جب میں ملک غلام علی صاحب کے صبر و استقامت، ان کی طبیعت کی نرمی اور شیرینی کے پہلو کا ذکر کرتا ہوں تو وہ بتاتی ہیں کہ ملک صاحب کی اہلیہ محترمہ بھی اس لحاظ سے ملک غلام علی صاحب کی شخصیت ہی کا پرتو نظر آتی ہیں۔ یہ سعادت کم ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے کہ اہل و عیال بھی مکمل طور پر ہم آہنگ ہوں۔ یہ راہِ خدا میں ملک صاحب کے اخلاص اور للہیت کی برکت تھی کہ ان کا پورا ماحول اس رنگ میں رچا بسا تھا۔

ملک غلام علی صاحب آخری وقت تک سمع و اطاعت کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز رہے۔ جماعت کی قیادت کی ذمہ داری ہم جیسے کم مایہ لوگوں پر آپڑی۔ یہ بہت بڑی آزمائش ہوتی ہے کہ کسی کو اپنے سے کم تر آدمی کی اطاعت کرنی پڑے۔ میں عمر تجربے اور علم و فہم کے لحاظ سے ان کے ہم پلہ نہیں تھا، لیکن محض امیر جماعت کے منصب کی وجہ سے انھوں نے مجھے اپنا مکمل تعاون پیش کیا۔ وہ آخر وقت تک جماعت اور امیر جماعت کے ساتھ رہے۔

ملک صاحب نے جوانی کے عالم میں اسلام کو سمجھا۔ اسے دل و جان سے اپنا طریقِ زندگی بنایا۔ زندگی کے آخری لمحے تک دین کی سربلندی کے لیے ایک نظام کی جکڑ بندیوں کو قبول کیا۔ اس نظام کے